

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقش آغاز

شیعہ نصاب کی علیحدگی کا مسئلہ

اخبارات میں شیعہ نصاب دینیات کی علیحدگی کے سلسلہ میں صدر پاکستان اور دیگر ارباب اختیار کی یقین دہانی آپکی ہے، اور یہ بھی کہ نئے سال کے آغاز سے نئے نصاب کو جاری کر دیا جائے گا۔ مزید یہ کہ تاریخ اسلام کو نئے سرے سے مرتب کر کے شامل نصاب کیا جائے گا۔ پاکستان کی ۹۰، ۹۵ فیصد آبادی اہل سنت والجماعہ کی اکثریت اور مسلمانوں کی سوادِ اعظم اور اہل علم اور صاحب فکر طبقے اس فیصلہ کے ہولناک نتائج کو دیکھتے ہوئے جھٹکتے بھی پریشان ہوں، تو بجا ہوگا۔

ہم آج کی صحبت میں اس فیصلہ کے بعض دور رس اور خطرناک نتائج پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ مقصد ملک کی سالمیت اور ملی یکجہتی ہے۔ اور تمنا ملک کی گاڑی کو اس ہلک راہ سے بچانے کی ہے جس پر اس ناغابیت اندیشہ فیصلہ کی صورت میں ملک کو ڈالا جا رہا ہے۔

ملک کے سیاسی تقاضوں، اقتصادی ضرورتوں اور سوادِ اعظم کی دینی اور معتقداتی نزاکتوں کے لحاظ سے حکومت کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ ایسے اہم مسئلہ پر عملت میں کوئی فیصلہ کرنے کی بجائے اکثریتی طبقہ سنی مسلمانوں کو اعتماد میں لے اور ان کے معتد علماء اور ارباب فکر سے مشورہ کرے۔

سیاسی لحاظ سے ملک کو اس وقت جس فکری سلامتی، اتحاد اور قومی یکجہتی اور نظریاتی یگانگت کی ضرورت اتنی کبھی نہ تھی مگر اتحاد پر آئندہ رہے سہے ملک کی بقاء کا دارومدار ہے۔ اب ملک خروش قسمتی سے شیعہ سنی طبقوں میں یہ فضا قائم رہی باہمی منافرت اور اجنبیت کا احساس یا شدت احساس کم ہی رہا۔

سنی مسلمانوں نے تو تحریک پاکستان کے آغاز سے لیکر اب تک اس سلسلہ میں نہایت فراخ دلی اور رواداری کا مظاہرہ کیا اور بار بار اپنی قسمت کی باگ ڈور بھی ایسے ہاتھوں میں دیکر معائنۂ محسوس نہ کیا۔ جن ہاتھوں نے آگے چل کر ملتِ مسلمہ کا گلا گھونٹنے میں کوئی کسر نہ اٹھائی اور بالآخر مسلمانوں کے اس حصارِ پاکستان کو

پاش پاش کر کے ہی چھوڑا۔ بہر حال اس باہمی رواداری اور حسن معاشرت میں بنیادی عامل موجودہ متحدہ دینی نصاب ہی رہا کہ سکول اور تعلیم گاہ کے ماحول میں بچوں کے اذہان ایک دوسرے سے علیحدگی اور جداگانہ گردہی وجود کی تربیت سے محفوظ رہیں۔ اور اس بات کا واضح ثبوت یہ ہے کہ مجدد اللہ کہ قیام پاکستان

کے بعد ہمارے تعلیمی ادارے ، شیعہ سنی نظریاتی تصادم کی لپیٹ میں نہیں آئے۔ اور نہ اکثریتی فرقہ کی دنیاست شیعہ بچوں کے جذبات مجروح کرنے کا ذریعہ بنی۔ تعلیمی اداروں سے باہر بھی ہماری زندگی اس کھاؤ سے کافی حد تک محفوظ رہی۔ بلکہ تعلیمی نصاب اور نظام کی یگانگت کافی حد تک بچوں کے ناچختہ اذہان میں باہمی الفت و تعلق اور نظریاتی اعتدال پیدا کرنے کا موجب بنتی رہی۔

اب جب نصاب کی علیحدگی کی صورت میں بچپن ہی سے بچوں کے اذہان میں ان کے جداگانہ خیالات اور نظریات اور علحدہ علحدہ حیثیت کا شعور اجاگر کیا جائے گا۔ تو یہ احساس علیحدگی آگے چل کر باہمی منافقت کی کتنی خطرناک شکل اختیار کر سکے گا اور قومی یکجہتی اور فکری یگانگت کس بے دردی سے انتشار و افراق میں بدلی جائے گی۔

۲۔ پھر یہ دیکھئے کہ علیحدگی کا یہ سلسلہ آخر کہیں جا کر رک بھی سکے گا یا نہیں۔ ؟ اس ملک میں دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والی کئی غیر مسلم اقلیتیں موجود ہیں جو شیعہ حضرات کے اپنے مطالبات کے حق میں دئے گئے دلائل سے زیادہ وزنی دلائل کے ساتھ ایسے مطالبات کر سکتے ہیں۔ پھر کیا ہیں ان سطحی بھراقلیتوں ، ہندو ، عیسائی ، سکھ ، پارسی ، بدھسٹ ، بھائی یا قادیانی (کہ مسلمان انہیں بہر حال اقلیتی غیر مسلم فرقہ سمجھتے ہیں) فرقوں کے لئے بھی ایک الگ الگ نصاب رکھنا ہوگا۔ اور ہر فرقہ کی خواہش پر نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کی اندسہ تو تنظیم کرنا ہوگی۔ ایک نہایت نامعقول رسم ڈالنے کے بعد ہم ایسے مطالبات کو کس طرح ناقابل تسلیم اور نامعقول کہہ کر مسترد کر سکیں گے۔ اتحاد کی رسی ہاتھ سے پھوٹ جاسے کے بعد ملک و ملت کی شیرازہ بندی کس بنیاد پر ممکن ہو سکے گی۔

۳۔ شیعہ حضرات اگر اس طرح اپنا ایک علحدہ تشخص قائم کرنے پر جہد ہیں تو یہ بنیادی سوال اٹھ سکتا ہے کہ کیا وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے ایک جداگانہ قومیت تصور کرتے ہیں۔ ؟ جہاں تک مسلمانوں کے سوا دینم کا تعلق ہے اسکی طرف سے ایسی کوئی آواز شیعوں کی علیحدگی کی نہیں اٹھائی گئی نہ وہ انہیں مسلمانوں سے ایک الگ غیر مسلم فرقہ تصور کرتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں اب تک نہایت فراخ دلی بلکہ مسرفانہ رواداری کے نتیجے میں ملک کے بعض حصوں کے نصاب تعلیم سے حضرت ابو بکرؓ اور فاروقؓ عظیم جیسے قابل فخر رہنماؤں کے احوال و سوانح بھی حذف کئے جا چکے ہیں۔ اور سنی اپنی روایتی وسعت ظرفیت یا ملی بے ہستی کی وجہ سے یہ سب کچھ گوارا کرتے چلے آئے ہیں۔ لیکن کیا شیعہ حضرات کے موجودہ مطالبات کے بعد یہ سوال نہیں پیدا ہو سکتا کہ جب اکثریت انہیں اپنی طرح مسلمان سمجھتی ہے تو یہ لوگ بلا وجہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے علحدہ کرانے پر کیوں جہد ہیں شیعہ سنی معتقدات میں بعض اصولی اختلافات کے باوجود بعض شیعہ فرقوں کو

چھوڑ کر عام طور پر اس اختلاف کو فردعی سمجھا جا رہا ہے (جبکہ بعض اخباری مراسلات میں شیعہ حضرات اسے اصول قرار دینے پر اصرار کر رہے ہیں۔)

۴. اگر فردعی اختلافات بھی اس علمدگی کا سبب بن سکتا ہے تو خود اہل سنت کے اندر کتنے مکاتب فکر میں جو آگے چل کر جداگانہ حقوق اور مطالبات کا ہنگامہ اٹھا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں کی اکثریت حنفی مسلمانوں کی ہے۔ لیکن فردعی اختلافات کی وجہ سے دیوبندی اور بریلوی الگ الگ دینی نصاب کا مطالبہ نہیں کر سکیں گے۔؟

پھر حنفی اور غیر حنفی تقسیم کریں تو مقلد اور غیر مقلد کی بنیاد پر علمدگی کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔ اہل حدیث ایک الگ جماعت ہے۔ جو کسی امام کی مقلد نہیں۔

تقلید کے دائرہ میں بھی یہاں دیگر ائمہ کرام کے پیرو موجود ہیں۔ شافعی بھی ہیں مالکی اور حنبلی بھی، کیا ہمیں ان سب کے لئے الگ الگ نصاب بنانا پڑے گا۔ اور سب کے لئے مساجد اور مدارس، امامت اور خطابت اور ملک کے قانون و آئین میں الگ انتظامات کرنے ہوں گے۔ اور کیا کسی بھی مختلف مکتب فکر سے رکھنے والے دو چار افراد کی خاطر یہاں کی اکثریت حنفی مسلمانوں کی دینیات، ان کی فقہ ان کے آئین اور قانون کو مشن ستم بنایا جائے گا۔

اگر شیعہ فردعی اختلاف کی بناء پر علمدگی کے حقدار ہیں تو خود شیعوں کے اندر آپس میں کتنے فردعی بلکہ اصولی اختلافات موجود ہیں۔ پھر کیا وہ اپنے دیگر مکاتب فکر اور گروہ دیگر وہ فرقوں کو بھی علمدگی کا یہ حق دینے پر تیار ہوں گے۔

۵. عقائد اور نظریات کے لحاظ سے اس فیصلے کا جائزہ لیں تو نہیں کہا جاسکتا کہ اہل سنت والجماعۃ اس صورت حال کو کس طرح برداشت کر سکیں گے۔ جہاں تک اہل سنت کا تعلق ہے وہ تمام صحابہؓ کو سرچشمہ ہدایت اور معیار حق سمجھتے ہیں۔ بالخصوص شیخین (حضرت صدیقؓ و حضرت فاروقؓ) کی افضلیت ان کا عقیدہ ہے۔ تمام صحابہ کرامؓ (بشمول حضرت علیؓ و امین حمادین حسنؓ و حسینؓ کی عظمت و حرمت اور ان کی تعذیل و تقدیس جزء ایمان سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ اہل بیت اطہار و اہل بیت کی قدرو منزلت بھی لازمہ ایمان ہے۔

الغرض یہاں مثبت ہی مثبت پہلو ہے۔ کوئی منفیانہ ذہنیت کی بات نہیں امام عالی مقام علی المرتضیٰ کی حیثیت سنی نصاب میں خلیفہ راشد کی ہے۔ حضرات اہل بیت ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہیں فاطمہ بنتول کی حرمت پر ہر ملنا ہم سعادت دارین سمجھتے ہیں کسی بھی صحابیؓ کی سیبہ ادبی کرنا ضیاع ایمان اور ضبط اعمال اور داعی خسران کا باعث سمجھتے ہیں۔ الغرض سنی نصاب میں اہل بیت اور ائمہ اطہار کی ادنیٰ گستاخی کا قصور

بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس نصاب میں نہ کسی کو غاصب کہا جاتا ہے نہ کسی کے حق کو غصب شدہ نہ کوئی ظالم ہے نہ مظلوم سب برابر و اخیار، مقرب بارگاہِ خداوندی اور ”رحماء بینہم“ کے مصداق ہیں موجودہ مروج نصاب و بیانات کے کسی کتاب کے کسی ورق اور کسی سطر سے شیعہ حضرات کی دل آزاری ہو جانے کی مثال نہیں دی جاسکتی۔

اب شیعہ معتقدات کو دیکھتے تو وہ سراسر اس کے خلاف ہیں ان کے علمی اور دینی کلچر میں چند ایک حضرات کو چھوڑ کر صحابہؓ کی اکثریت اسلام اور ایمان کے معیار پر بھی پوری نہیں اترتی (معاذ اللہ) صدیق و فاروقؓ اور عثمان غنیؓ سمیت سب اہل صحابہؓ نے خود بالائے غاصب اور ظالم تھے۔ حضرت عائشہؓ اور دیگر اہل بیت المؤمنین (رضی اللہ عنہم) کے بارہ میں ان کے عقائد کو کوئی غیور مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ خلافت میں ان کے ہاں صدیق و فاروقؓ کی حیثیت ثانوی ہے۔ تقیہ (بوقت ضرورت بھوٹ) اور متعہ (مرد و زن کی باہمی رضامندی سے شہوت رانی) ان کے دین کے بنیادی اصول ہیں۔ صحابہ کرامؓ پر لعن و لعن، تبرّ ابازی ان کا جزو و جہز، عقیدہ بدّاء“ قرآن کی ابدیت اور شریعت کے ناقابلِ تفسیح ہونے کی سراسر نفی کرتی ہے۔ اور اس طرح بیسیوں دیگر مسائل اور نظریات ہیں۔ جو ان کے ہاں دین کے اساس کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہاں ان نظریات کی اچھائی یا برائی کی بحث میں پڑے بغیر ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا اہل سنت و الجماعت مسلمان اپنے نوہال بچوں کے لئے ایک ہی سکول ایک ہی کلاس کی ایک ہی صف میں ایسی کتابوں، ایسے لٹریچر اور ایسے اساتذہ کی ایسی تعلیمات کو ایک لمحہ کے لئے گوارا کر سکیں گے جس میں ان کے محبوب اسلاف پر تبرّ ابازی کی گئی ہو ان کو ظالم اور غاصب کہا گیا ہو، تقیہ اور متعہ کی شکل میں ان کے بچوں کی اخلاقی اور سماجی حالت بربادی کے خطرہ میں ہو آگ اور پانی کا یہ نباہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ کیا اس طرح ہر سکول کے اکثریتی طبقہ کے بچوں کے دینی جذبات اور معتقدات مجروح نہیں ہوں گے۔ اس کا نتیجہ جس ہولناک اور بھیاناک شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ چند وقتی مصلحتوں کی خاطر اس سے صرف نظر کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ حقیقت میں نگاہوں کا یہ اندازہ بجا طور پر درست ہے کہ اس طرح پوری سنی آبادی شیعہ معتقدات کی لپیٹ میں آ سکتی ہے۔ اور شیعہ عقائد کی بنیادی اور اہم سطح پر اشاعت اور تبلیغ کا دروازہ کھولا جا رہا ہے۔ پوری امت مسلمہ چند گنے چنے حضرات کی خاطر شیعیت کی بھینٹ نہیں پڑھائی جاسکتی۔

اگر شیعہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نصاب میں ایسی کوئی دلائل و بات نہیں ہوگی۔ تو سب الہ پیلہ بہتا ہے کہ پھر نصاب کی علحدگی کی ضرورت کیا رہ جاتی ہے۔ اگر نصاب ایسے اخلاقی

مسائل اور معتقدات سے دور رکھنا ہے تو پھر کروڑوں روپے کا بوجھ ڈال کر الگ نصاب جاری کرنے میں ان کا مقصد کیا رہ جاتا ہے۔ بہر حال ایک دفعہ الگ نصاب کی داغ بیل ڈال دینے کے بعد اسکی کیا ضمانت ہے کہ آئندہ اسے سنی بچوں کے عقائد کی دلازارانہ آلائشوں سے دور رکھا جاسکے گا۔

۶۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کیا علمدگی کا یہ مطالبہ صرف نصاب تعلیم تک محدود رہ سکتا ہے؟ شیعہ کمیٹی کے مطالبات میں اوقاف کی علمدگی بھی شامل ہے۔ تبرّازی (برسر عام صحابہ پر سب وستم) کی کھلی چھوٹ دئے جانے پر اصرار ہے۔ آگے چل کر ان مطالبات کا دائرہ اور وسیع ہو سکتا ہے۔ فوج کی ہر یونٹ میں دو ایک شیعہ افراد کے لئے وہ سنی امام اور خطیب کے ساتھ شیعہ مجتہد اور امام کا بھی مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اس طرح فوج بھی نظریاتی جنگ و جدال کا اکھاڑہ بن سکتی ہے۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی دیگر غیر مسلم اقلیتیں اور قادیانی بھی فوج میں اپنے مذہبی معاملات کیلئے الگ انتظام اور الگ الگ محکموں کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ ہماری ذاتی معلومات کی بناء پر ایک ذمہ دار عیسائی انسپر ہر یونٹ مسلمان عالم کے ساتھ ایک پادری کے تقرر کی خواہش کر بھی چکے ہیں۔ قادیانیوں کو جو عمل دخل اور رسوخ حاصل ہے، وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں اس رسوخ کی بناء پر مرزائی اپنے مبلغین کی تقرری کا سوال بھی اٹھا سکتے ہیں۔ کیا یہ صورت حال ملک کے دفاع، سالمیت اور افواج کی یکجہتی اور یگانگت کیلئے مضر نہیں ہوگی۔

مزید آگے چل کر شیعہ اقلیت اپنے لئے سنی آبادی کے ہر محلہ اور ہر گاؤں میں الگ امام اور مجتہد کی تقرری کا ناقابل برداشت بوجھ بھی ممکنہ اوقاف پر ڈال سکتی ہے۔

۷۔ آزادی رائے اور سیکولر ذہنیت سے متاثر اذان کو شاید یہ صورت حال بہت پسند آئے۔ کہ ہر سکول اور تعلیمی ادارہ کا ۹۰، ۹۵ فیصد اکثریت سنی مسلمانوں کے ساتھ ۵، ۱۰ اقلیتی بچوں کی خاطر پانچ دس الگ الگ نصاب بھی رکھے جائیں۔ لیکن اس طرح اس نظریہ کا کیا حشر ہوگا جو قیام پاکستان کا باعث بنا، اور جسے اب کافی حد تک ہم خود اپنی ستم کاریوں ہی سے نیم مردہ اور بے جان کر چکے ہیں۔ یعنی۔ دو قومی نظریہ۔ ملک جس اکثریت کے نام پر بنا ہے اگر پاکستان میں اس اکثریت اور مجاہدوں کو تعلیم جیسے بنیادی مسئلہ میں بھی قوتِ حاکمہ کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی تھی اور اسے چھوٹی چھوٹی اقلیتوں کے مساوی حصہ دینا تھا۔ تو کیا یہ مقصد ایک متحدہ سیکولر سٹیٹ کی شکل میں حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ کیا مسلمان برصغیر کی اقلیت رہ کر اس طرح مطالبات سے اپنے الگ شخص کو برقرار

نہیں رکھ سکتے تھے۔ پس بلاشبہ اگر یہاں مجارٹی اور عینارٹی کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ تو مسلمانوں کو ایک مستقل ریاست کے نام پر تاریخ کی لامثال قربانیوں اور مصیبتوں کا سامنا کیوں کر ناپڑا۔

الغرض جب ملک اکثریت کے نام پر بنا ہے۔ اقلیتی طبقات کے نام پر نہیں تو ایسے فیصلے ملک کی رہی نہیں اساس اور بنیاد و دوقومی نظریہ کو منہدم کرنے کے مترادف ہوں گے۔

بلاشبہ ایک اسلامی مملکت میں اقلیتی فرقوں کو اپنے مذہب کی تعلیم حاصل کرنے اور اپنے کلچر و تمدن کو برقرار رکھنے کی اجازت ہے۔ لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ اگر شیعہ و عیزہ کو سنی نصاب تعلیم پر اعتماد نہیں تو وہ اپنے لئے پرائیویٹ اداروں اور تعلیم گاہوں کی شکل میں اس کا انتظام کر سکتے ہیں، کوئی اسلامی مملکت انہیں نہیں روکتی۔ لیکن وہ اس آرٹ میں پورے ملک کے دینی نصاب کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتے نہ اکثریت پر اپنے عقائد کی تبلیغ کا جبری راستہ نکال سکتے ہیں۔ بھارت کی مثال ہمارے سامنے ہے جو نام نہاد سیکولر سٹیٹ ہونے کا دعویدار ہے۔ لیکن وہاں کے تعلیمی اداروں کے نصاب میں ہندوانہ ذہنیت اور ہندو رسم و رواج اور تعلیمات سے مسلمان بچوں کے دین کو خطرہ لاحق ہو گیا تو مسلمانوں نے اس کے لئے الگ الگ مکاتب کھولے۔ پرائیویٹ ادارے قائم کئے۔ مگر وہ بھارت کو مجبور نہیں کر سکے کہ ان کے لئے ہر سکول اور ادارہ میں الگ نصاب رکھا جائے۔

۸۔ اقتصادی اور معاشی لحاظ سے اس فیصلہ کا جائزہ لیجئے تو کیا ایک ایسا ملک جسکی ۵۷ فیصد آبادی اقتصادی بد حالی اور پس ماندگی کی وجہ سے لازمی بنیادی تعلیمی سہولتوں سے بھی محروم ہے۔ جہاں کی دولت مند دیہاتی آبادیاں پرائمری تعلیم سے بھی نا آشنا ہیں، کسی ایسے دوسرے نصاب اور نظام تعلیم کی متحمل ہو سکتی ہے۔ جسکی وجہ سے تعلیمی مصارف دوگنا ہو جائیں۔ ہم موجودہ سکولوں کو فریجیر بنیادی سامان اور ضروری سٹاف مہیا نہیں کر سکتے۔ تو چند ایک بچوں کی خاطر الگ نصاب، اس کے لئے الگ اساتذہ اور دو کتا بوں کے اخراجات کہاں سے پورے کر سکیں گے۔ ان عظیم اخراجات اور مصارف کے نتیجے میں فائدہ کتنا حاصل ہو گا۔

ہمارے خیال میں ملک کی ۷۰ فیصد باغیچہ دیہاتی آبادی ایسی ہے۔ جہاں کسی سکول میں آپ کو ایک بھی شیعہ بچہ نہیں مل سکے گا۔ ۳۰ فیصد تعلیمی ادارے اور سکول ایسے ہوں گے، جہاں ایسے بچوں کی شرح دس فیصد سے کسی طرح زیادہ نہیں ہو گی۔ لیکن ایک عام پالیسی کے تحت ہر سکول کو نہ صرف دو نصاب فراہم کرنے ہوں گے۔ بلکہ متضادم نظریات اور تعلیم کے لئے الگ الگ اساتذہ بھی اس لئے کہ نہ تو کوئی سنی شیعہ نصاب پڑھانے پر آمادہ ہو گا۔ نہ شیعہ حضرات ایسے اساتذہ سے پڑھنا

گوارا کریں گے۔ پھر جب دینیات کے اساتذہ دونوں مضامین کے لئے ضروری ٹھہرے تو فرض کیجئے ملک کے ۵۰ فیصد آبادی کے لئے ہمیں دس ہزار اساتذہ رکھنے ہیں تو ہم اتنی ہی تعداد ۵۰ فیصد آبادی کے لئے بھی رکھنے پر مجبور ہوں گے۔ یہ صورتحال ملازمتوں کے تناسب سے کتنی قابل افسوس ہوگی۔

۹۔ ایک اور زاویہ سے دیکھئے تو قومی یکجہتی کے ساتھ حکومت کی دوزخی پالیسی پر محو حیرت ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ کہ جب مسلمانوں کی اکثریت ایک مدت سے قادیانیوں کو الگ غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کرتا ہے۔ تو اسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا جاتا ہے۔ کہ اس طرح قومی اتحاد مجروح ہوتا ہے۔ ادب افتراق و انتشار کی راہ کھلتی ہے۔ یہاں تک کہ قادیانیوں کو دانستہ یا نادانستہ تحفظ دینے کی خاطر آئین میں نہایت اصول مطالبہ مسلمان کی تعریف اور مسلم کا تعین اور شخص کو بھی بے دردی سے ٹال دیا جاتا ہے۔ لیکن دوسری طرف ایک ایسے فرقہ کہ علحدگی کی راہ پر ڈال دیا جاتا ہے جسکی علحدگی کا مطالبہ مسلمانوں کی طرف سے کبھی نہیں ہوا، بلکہ وہ اسے اپنے ساتھ ملائے رکھنا چاہتے ہیں حالانکہ پہلا مطالبہ قادیانیوں کی علحدگی قومی یکجہتی کے تحفظ اور سالمیت کی خاطر نہایت اصولی، معقول، اور ضروری ہے۔ جبکہ دوسرے مطالبے (شیعوں کی علحدگی) سے قومی یکجہتی پاش پاش ہو جاتی ہے۔ گویا نہ تو قومی اتحاد برقرار رکھنے میں مسلمانوں کے مطالبات قابل اعتناء ہیں۔ اور نہ اس کے توڑے جانے پر مسلمانوں کے اندریشے لائق التفات ہیں۔ ایسی دورنگی اور دوزخی پالیسی پر سوائے حیرت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

ایک بات اور شیعہ حضرات کیلئے ان مطالبات کے رد عمل کی شکل میں قابل غور ہے۔ اگر ایسے مطالبات مسیحی مسلمانوں کی طرف سے شروع ہو جائیں کہ آئندہ الگ شخص کی وجہ سے شیعہ حضرات کو سول سروس فوج وغیرہ کی ملازمتوں اور دیگر حقوق و رعایات میں بھی شرح آبادی کے تناسب سے کوٹہ مقرر کیا جائے تو کیا اس مطالبہ کو نامعقول کہا جاسکے گا۔ اس طرح اگر شیعہ حضرات اہل سنت سے اپنے اختلافات کو اصولی قرار دینے پر مصر رہے تو مسلمانوں کے لئے سوچنا ہوگا کہ ایسے اصولی اختلافات کے ساتھ کوئی شخص مسلمان کے دائرہ میں رہ سکتا ہے یا نہیں یا ایسے اصولی اختلافات کے ہوتے ہوئے کوئی اقلیت ملک کے کلیدی مناصب بشمول صدارت وغیرہ پر فائز رہ سکتی ہے یا نہیں؟ یہ اور اس قسم کے بیشمار مسائل اس کے رد عمل میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ پھر شیعہ حضرات شاید اسے گھائے کا سودا سمجھ کر پھٹانے لگ جائیں مگر موقع ہاتھ سے جا چکا ہوگا۔

۱۰۔ آخر میں اس فیصلہ کو قابل عمل ہونے کے لحاظ سے دیکھئے کہ یہ جبری طور پر کہاں تک نافذ ہو

سکتا ہے۔ میرے خیال میں تعلیم کا مسئلہ زیادہ تر صوبائی حکومتوں سے وابستہ ہے۔ فرض کیجئے صوبہ سرحد یا بلوچستان اور ان کی دیکھا دیکھی کوئی اور صوبہ جداگانہ نصاب کے اس فیصلہ کو مسترد کر دیتی ہیں تو کیا مرکز اسے جبراً ٹھونس کر کتنے خطرات میں ملک کو ڈال سکتی ہے۔ اور اگر صوبائی حکومتیں اسے نافذ کر سکیں دیں لیکن جیسا کہ شیعہ حضرات کو اپنے عقائد اور نظریات عزیز ہیں۔ گروہی حمیت انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ سنی مسلمانوں کے بچوں اور تعلیمی اداروں کے اہل سنت نوجوانوں میں دینی و ملی احساسات کا شعور بیدار ہوا اور ۹۵ فیصد لوگوں نے اس فیصلہ کو مسترد کرنا چاہا تو ملک کے امن و امان کا کیا بنے گا۔ جسکی ملک کی تعمیر نو کے لئے نہایت اشد ضرورت ہے۔

ان خطرات کو دیکھتے ہوئے ملت کے اتحاد اور سالمیت کی خاطر ہماری درد مندانہ گزارش ہے کہ اس فیصلہ پر نظر ثانی کر کے ملک کو منافرت افتراق اور خانہ جنگی کے اور راستوں پر نہ ڈالا جائے پہلے سے لسانی، علاقائی اور قومی مسائل کا عفریت ہمیں ہڑپ کر رہا ہے اگر ملت کی شیرازہ بندی کرنے کی بجائے ایسے دیگر مسائل کو ہوا دی گئی تو اسے کسی سوچی سمجھی سازش کی ایک کڑی ہی سمجھا جائے گا۔ اور ملک کے باشندوں میں باہمی اعتماد اور خیر سگالی کی فضا قائم رکھنا مشکل ہو جائے گی۔ خدا اس روز بد اور اس کے نتائج سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ واللہ یقول الحق وهو یدعی السبیل۔

جمع الاحد
۱۹ اگست ۱۹۹۲

مکہ معظمہ میں شیخ وقت مجاہد جلیل عارف باللہ مولانا احمد علی لاہوری مرحوم کے فرزند اکبر مولانا حبیب اللہ ہاجر حرمین کا انتقال ہوا، مولانا مرحوم اپنے اولوالعزم والد کی طرح زہد ورع، فقر و استغناء توکل اور ریاضت کے عجیب مقامات پر فائز تھے۔ درویشی اور موتو کفانہ زندگی کے عجیب نمونے اس دور پر فتن میں قائم کئے تقریباً ۲۰ سال مشقتوں سے بھری زندگی بوجہ حرمین میں گذاری اور اسی حال میں واصل حق ہوئے۔ حضرت لاہوری کے خاندان کا یہ گل سرسبد اپنے والد بزرگوار کی طرح طلبہ گاران راہ حق کے لئے مشعل ہدایت رہے گا۔

اسی ماہ لاہوری کے ایک نوجوان صالح حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب کا بھی انتقال ہوا۔ یہ اپنے وقت کے جنید شیخ طریقت و شریعت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری مرحوم بانی جامعہ اشرفیہ کے خلیفہ صالح تھے۔ اخلاص محبت اور شرافت کے پیکر۔ اس مرگ جوان سال پر کونسی آنکھ ہے جو اشکبار نہ ہو۔ دارالعلوم حقانینہ، ادارہ الحق ہر دو مرحومین کے رفح درجات کا مہتمن ہے۔ اور غمزدہ خاندان کے افراد سے برابر کا شریک غم۔

(سمیع الحق)